E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A. Urdu

Paper : 07 – Daastan, Drama, Novel Aur Afsana

Module Name/Title : An Interview with Intezar Hussain

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE, MANUU / Intezar Hussain
PRESENTATION	Intezar Hussain
PRODUCER	Md. Mujahid Ali

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی 30 : انتظار حسین اور آخری آدمی

ساخت

30.1 تمہید
30.2 حیات
30.3 تصانیف
30.4 افسانہ نگاری
30.5 آخری آدمی (متن)
30.6 آخری آدمی کا تنقیدی جائزہ
30.7 خلاصہ
30.8 نمونۂ امتحانی سوالات
30.9 فرہنگ
30.10 سفارش کردہ کتابیں

30.1 تمہید

انتظار حسین کا شمار موجودہ دور کے اہم ترین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے تمثیلی اور داستانوی اسلوب بیان کی وجہ سے اردو کے افسانوی ادب میں ایک نئے طرز کے موجد کہے جاسکتے ہیں۔ دراصل انتظار حسین افسانہ نگاروں کی اس صف سے تعلق رکھتے ہیں جس نے 1947ء کے آس پاس لکھنا شروع کیا۔ یہ دور انتہائی پر آشوب تھا اور برصغیر کی سیاسی اور سماجی صورت حال تبدیل ہو رہی تھی۔ ہندوستان کی تقسیم عمل میں آچکی تھی اور سرحد کے دونوں طرف رہنے والوں کو ایک ایسے سیاسی و سماجی جبر کا سامنا کرنا پڑا جس نے انہیں تذبذب، تردد اور انتشار میں گرفتار کر دیا تھا۔ سب سے بڑا المیہ اپنی تہذیبی جڑوں سے کٹ جانا تھا۔ سیاسی بازی گروں نے نہ صرف یہ کہ زمین تقسیم کر لی تھی بلکہ انسانوں کی تقسیم بھی عمل میں آئی تھی۔ لوگوں کو اپنے گھر، اپنی زمینیں، اپنا کلچر، اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت چھوڑ کر ایک نئی زمین پر ایک نئے آسمان کے نیچے پناہ لینی پڑی تھی۔ ہجرت کا یہ المیہ اس دور کے تخلیق کاروں کے تخلیقی شعور کا حصہ بن کر ان کی تخلیقات کو ایک نیا رنگ ایک نیا آہنگ دے رہا تھا۔ انتظار حسین کو بھی اپنی سرزمین سے ہجرت کرنی پڑی اور ہجرت کا یہ المیہ ان کے تخلیقی شعور کا حصہ بن کر آج تک ان کی تخلیقات کو لو دیتا چلا آرہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ عصری میلانات اور حال کے تقاضوں کا شعور نہیں رکھتے۔ لیکن ماضی سے رشتہ جوڑے بغیر حال کی عکاسی ان سے نہیں ہوسکتی کیوں کہ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ انسان کا ماضی اس کے ساتھ تا زندگی سائے کی طرح رہتا ہے اور اس کے حال پر برابر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

اس اکائی میں ہم انتظار حسین کا مختصر تعارف پیش کریں گے۔ ان کی تصانیف سے آپ کو روشناس کرائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی افسانہ نگاری کی اہم خصوصیات کا تجزیہ کیا جائے گا ساتھ ہی ان کے مشہور افسانے ''آخری آدمی'' کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔ افسانے کا متن بھی آپ کے مطالعہ کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ اکائی کا خلاصہ، امتحانی سوالات کے نمونے، مشکل الفاظ کی فرہنگ اور سفارش کردہ کتابوں کی فہرست بھی شامل کی جارہی ہے۔

اکائی 30 : انتظار حسین اور آخری آدمی

ساخت

30.1 تمہید
30.2 حیات
30.3 تصانیف
30.4 افسانہ نگاری
30.5 آخری آدمی (متن)
30.6 آخری آدمی کا تنقیدی جائزہ
30.7 خلاصہ
30.8 نمونۂ امتحانی سوالات
30.9 فرہنگ
30.10 سفارش کردہ کتابیں

30.1 تمہید

انتظار حسین کا شمار موجودہ دور کے اہم ترین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے تمثیلی اور داستانوی اسلوب بیان کی وجہ سے اردو کے افسانوی ادب میں ایک نئے طرز کے موجد کہے جاسکتے ہیں۔ دراصل انتظار حسین افسانہ نگاروں کی اس صف سے تعلق رکھتے ہیں جس نے 1947ء کے آس پاس لکھنا شروع کیا۔ یہ دور انتہائی پر آشوب تھا اور برصغیر کی سیاسی اور سماجی صورت حال تبدیل ہو رہی تھی۔ ہندوستان کی تقسیم عمل میں آچکی تھی اور سرحد کے دونوں طرف رہنے والوں کو ایک ایسے سیاسی و سماجی جبر کا سامنا کرنا پڑا جس نے انہیں تذبذب، تردد اور انتشار میں گرفتار کر دیا تھا۔ سب سے بڑا المیہ اپنی تہذیبی جڑوں سے کٹ جانا تھا۔ سیاسی بازی گروں نے نہ صرف یہ کہ زمین تقسیم کر لی تھی بلکہ انسانوں کی تقسیم بھی عمل میں آئی تھی۔ لوگوں کو اپنے گھر، اپنی زمینیں، اپنا کلچر، اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت چھوڑ کر ایک نئی زمین پر ایک نئے آسمان کے نیچے پناہ لینی پڑی تھی۔ ہجرت کا یہ المیہ اس دور کے تخلیق کاروں کے تخلیقی شعور کا حصہ بن کر ان کی تخلیقات کو ایک نیا رنگ ایک نیا آہنگ دے رہا تھا۔ انتظار حسین کو بھی اپنی سرزمین سے ہجرت کرنی پڑی اور ہجرت کا یہ المیہ ان کے تخلیقی شعور کا حصہ بن کر آج تک ان کی تخلیقات کو لو دیتا چلا آرہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ عصری میلانات اور حال کے تقاضوں کا شعور نہیں رکھتے۔ لیکن ماضی سے رشتہ جوڑے بغیر حال کی عکاسی ان سے نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ انسان کا ماضی اس کے ساتھ تا زندگی سائے کی طرح رہتا ہے اور اس کے حال پر برابر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

اس اکائی میں ہم انتظار حسین کا مختصر تعارف پیش کریں گے۔ ان کی تصانیف سے آپ کو روشناس کرائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی افسانہ نگاری کی اہم خصوصیات کا تجزیہ کیا جائے گا ساتھ ہی ان کے مشہور افسانے ''آخری آدمی'' کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔ افسانے کا متن بھی آپ کے مطالعہ کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ اکائی کا خلاصہ، امتحانی سوالات کے نمونے، مشکل الفاظ کی فرہنگ اور سفارش کردہ کتابوں کی فہرست بھی شامل کی جا رہی ہے۔

30.2 حیات

انتظار حسین 21/دسمبر 1925ء کو ضلع بلند شہر یوپی کے ایک گاؤں ڈبائی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام منتظر علی تھا۔ جو مذہب سے خاص شغف رکھتے تھے۔ نو دس سال کی عمر میں انتظار حسین اپنے والدین کے ساتھ ہاپوڑ (ضلع میرٹھ) میں آکر رہنے لگے۔ کیونکہ ان کے خاندان کے بیشتر افراد ہاپوڑ میں ہی آباد تھے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انتظار حسین نے میرٹھ کالج سے اردو میں ایم۔اے کیا۔ تقسیم ملک کے بعد انتظار حسین پاکستان ہجرت کر گئے۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب ان کے تخلیقی سفر کا آغاز ہوا۔ انہوں نے ''قیوما کی دکان'' کے عنوان سے پہلا افسانہ لکھا جو دسمبر 1948ء کے ادب لطیف لاہور میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ابتدائی دنوں کا ایک اور افسانہ ''استاد'' ہے۔ یہ دونوں افسانے ان کے افسانوی مجموعے ''گلی کوچے'' میں شامل ہیں۔ انتظار حسین افسانے لکھنے کے ساتھ ساتھ ترجمے بھی کرتے رہے۔ اس طرح روسی فکشن سے ان کی واقفیت بڑھی اور وہ چیخوف اور ترگنیف سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی امریکی ادب کے تراجم بھی کیے جن میں جدید امریکی کہانیوں کی ایک کتاب کا ترجمہ ''ناؤ اور دوسری کہانیاں'' کے نام سے کیا۔ انتظار حسین نے صحافت سے بھی اپنا تعلق رکھا اور چند اہم جرائد اور اخبارات کی ادارت بھی کی مثلاً روزنامہ مشرق لاہور اور ہفتہ وار نظام لاہور وغیرہ۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں مختلف اعزازات سے نوازا گیا۔ جن میں Pride of Performance بھی شامل ہے جو حکومت پاکستان کا اعلیٰ ترین سیول ایوارڈ ہے۔ ہندوستان میں انہیں ''یاترا ایوارڈ'' بھی دیا گیا۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. انتظار حسین کب اور کہاں پیدا ہوئے؟
2. انتظار حسین کا پہلا افسانہ کونسا ہے؟
3. انتظار حسین کن روسی ادیبوں سے متاثر ہوئے؟

30.3 تصانیف

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے انتظار حسین کے تخلیقی سفر کا آغاز تقسیم ہند کے فوراً بعد ہوتا ہے۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے ہوا لیکن انہوں نے ناول بھی لکھے اور انگریزی و روسی ادب کے تراجم بھی کیے۔ ڈرامے بھی لکھے اور رپورتاژ بھی۔ ادبی اور تنقیدی مضامین بھی ان کے افسانوی مجموعوں میں ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کی تصانیف کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔

(الف) ناول : 1. چاند گہن (1953ء) 2. دن اور داستان (1959ء) 3. بستی (1980ء)
4. تذکرہ (1987ء) 5. آگے سمندر ہے (1995ء)

(ب) افسانوی مجموعے : 1. گلی کوچے (1952ء) 2. کنکری (1955ء) 3. آخری آدمی (1967ء)
4. شہر افسوس (1972ء) 5. کچھوے (1981ء) 6. خیمے سے دور (1986ء)
7. خالی پنجرہ (1993ء)

(ج) ڈرامے : 1. خوابوں کا سفر (1968ء) 2. نفرت کے پردے میں (1970ء) 3. پانی کے قیدی (1973ء)

(د) رپورتاژ : 1. دلی جو ایک شہر تھا 2. چراغوں کا دھواں

(ہ) تراجم : 1. نئی دہلی (1952ء). 2. ناؤ اور دوسرے افسانے (1958ء) 3. سرخ تمغہ (1960ء)

4. سارہ کی بہادری (1963ء) 5. ہماری بستی (1967ء) 6. فلسفہ کی نئی تشکیل (1961ء)
7. ماوزے تنگ (1966ء)

(و) سفرنامہ : زمین اور فلک (1987ء)

(ز) متفرقات : 1. زرّے (1976ء) 2. علامتوں کا زوال (1983ء) 3. اجمل اعظم (1995ء)

اپنی معلومات کی جانچ

1. ''آگے سمندر ہے'' کا سنہ اشاعت تحریر کیجیے۔
2. انتظار حسین کے پہلے افسانوی مجموعے کا نام لکھیے۔
3. ''دلی جو اک شہر تھا'' کیا ہے؟

30.4 افسانہ نگاری

انتظار حسین موجودہ اردو افسانے کی سب سے قد آور شخصیت کہے جاسکتے ہیں۔ ان کا تمثیلی انداز بیان، داستانوی اسلوب، استعاراتی طرز ادا اور تاریخی شعور کی آگ میں تپا ہوا عصری کرب و شخصی حسیت انہیں اردو کے دوسرے افسانہ نگاروں سے ممتاز مقام عطا کرتے ہیں۔ ہجرت کا تجربہ اور تہذیبی جڑوں کی تلاش نے انہیں ایک ایسے تخلیقی سفر پر آمادہ کر دیا ہے جس کی منزل وہ شعور و وجدان ہے جو اس پوری کائنات کو انسان کا گھر بنا دیتا ہے۔ جہاں رامائن اور مہابھارت، جاتک اور بدھ کتھا، ملفوظات صوفیاء کرام، نبیوں اور پیغمبروں کے واقعات، اساطیری و دیومالائی تصورات، عہد نامۂ عتیق اور حال و قال کی کتنی ہی منزلیں سب کے سب اس کے اپنے ہو جاتے ہیں۔ پورا کرۂ ارض اپنے تمام تر حیاتی و کائناتی مظاہر کے ساتھ تخلیقی شعور و وجدان کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انتظار حسین کہانی بیان کرتے ہیں تو استعاروں، علامتوں، تلمیحوں اور حکایتوں سے ان خیالات کی ترسیل بھی آسان بنا دیتے ہیں جنہیں دوسروں تک پہنچانے کے لیے الفاظ کے دفتر درکار ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

> ''یا شیخ زرد کتا کیا ہے؟ فرمایا: زرد کتا تیرا نفس ہے۔ میں نے پوچھا یا شیخ نفس کیا ہے؟ فرمایا نفس طمع دنیا ہے۔ میں نے سوال کیا: شیخ طمع دنیا کیا ہے؟ فرمایا: طمع دنیا پستی ہے۔ میں نے استفسار کیا: یا شیخ پستی کیا ہے؟ فرمایا: پستی علم کا فقدان ہے۔ میں ملتجی ہوا: یا شیخ علم کا فقدان کیا ہے؟ فرمایا: دانش مندوں کی بہتات۔''
>
> (زرد کتا)

مندرجہ بالا اقتباس سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ انتظار حسین نے اظہار کی جو جہت دریافت کی ہے وہ داستانوی طرز اظہار کا گہرا شعور رکھتی ہے۔ مسائل تصوف کے اسرار و رموز اور ملفوظات صوفیاء کرام کے لب و لہجے کا اثر اس تحریر پر دکھائی پڑتا ہے۔ انتظار حسین نے یہ انداز اس لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے مطابق مغرب سے مستعار طرز اظہار کے مقابلے میں داستانوں، کتھاؤں اور حکایتوں کا اسلوب بیان زیادہ بہتر طریقے سے ہمارے ذہنوں کو منشائے مصنف یا روحِ تخلیق سے ہم آہنگ کر سکتا ہے۔ اس طرز اظہار پر قدرت حاصل کرنے کے لیے انہیں عہد نامۂ قدیم، قصص الانبیا، پرانوں، داستانوں اور جاتک کتھاؤں کا نہ صرف یہ کہ مطالعہ کرنا پڑا بلکہ ان کی روح کو اپنے تخلیقی وجدان کا حصہ بھی بنانا پڑا۔ ہجرت کا المیہ ان کی شخصیت کے ساتھ وابستہ تھا ہی۔ اپنی تہذیبی جڑوں کی بازیافت کی خواہش اور نئے واجنبی سماجی منظر نامے کے تقاضوں سے اپنی قدیم تہذیبی وابستگیوں کا اتصال اور ان دونوں کے امتزاج سے ایک نئے تخلیقی رویے کا جنم ان کی تخلیقات کا مقصد ہے۔ یہ صحیح ہے کی انتظار حسین جس تخلیقی کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں وہ مسلم کلچر ہے لیکن اس مسلم کلچر کی جڑیں ہندوستان کی سرزمین میں دور تک پیوست ہیں۔ دراصل یہ تہذیب نہ صرف ہندو تہذیب ہے اور نہ ہی اسلامی تہذیب بلکہ یہ ہند اسلامی تہذیب ہے اور اس تہذیب کے بکھراؤ کا المیہ ان کی تخلیقات کے منظر نامے میں جگہ جگہ نظر آتا ہے:

''یہ سب کچھ دیکھنے کے لیے ایک میں ہی زندہ رہ گیا ہوں۔ قبلہ بھائی صاحب مرحوم اور چھوٹے بھیا دونوں اچھے دنوں میں سدھار گئے۔ جب میں قبرستان جاتا ہوں اور میاں جانی اور چھوٹے بھیا کی قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہوں تو قبلہ بھائی صاحب بہت یاد آتے ہیں۔ کیا وقت آیا ہے کہ اب ہم میں سے کوئی جا کر ان کی قبر پر فاتحہ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ جو خاندان ایک جگہ جیا، ایک جگہ مرا، اب اس کی قبریں تین قبرستانوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ میں نے قبلہ بھائی صاحب سے مؤدبانہ عرض کیا تھا کہ اگر آپ ہمیں چھوڑ ہی رہے ہیں تو پھر مناسب یہ ہے کہ آپ کامران میاں کے پاس کراچی ہی جایئے۔ مگر چھوٹے بیٹے کی محبت انہیں ڈھا کہ لے گئی۔ ان کی بے وقت موت ہم سب کے لیے بڑا صدمہ تھی۔ مگر اب میں سوچتا ہوں کہ ان کے جلدی اٹھ جانے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی وہ نیک روح تھے۔ خود قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کی وہ عبرت واذیت کے دن دیکھنے کے لیے زندہ رہیں۔ یہ دن تو مجھ گنہگار کو دیکھنے تھے۔''

(ہندوستان سے ایک خط)

آپ نے محسوس کیا کی مندرجہ بالا سطور میں ہند اسلامی تہذیب کے بکھراؤ کا المیہ جھلکتا ہے ساتھ ہی اسلوب بیان کی سادگی اور طرز اظہار کی دلکشی افسانے کو بے حد مؤثر بنا دیتی ہے۔ انتظار حسین فرد کے وجود کو قومی وجود کا جز و لازم سمجھتے ہیں اسی لیے ان کے افسانوں میں معاشرے کا کرب شخصی کرب کا حصہ بن جاتا ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار کو سمجھنے کے لیے اس کے معاشرے سے واقفیت ضروری ہے کیونکہ ان کے بیشتر کردار معاشرتی یادوں کے اسیر ہیں۔ وہ اپنی تہذیبی جڑوں سے کٹے ہوئے ہیں اور شناخت کا مسئلہ ان کے سامنے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طرح کے کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب ہم اس معاشرے سے پوری طرح واقف ہوں جن سے ان کا تعلق رہا ہے یا پھر جن سے ان کا تعلق ہے۔ انتظار حسین کرداروں کے اس تجزیہ میں ہماری مدد کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کا داستانوی اسلوب اظہار ہمیں اس پوری تہذیب اور اس پورے کلچر کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے جس کے بکھرنے اور کھو جانے کا کرب ان کے کرداروں کی تشکیل میں شامل ہے:

''رات گئے دستک ہوئی۔ میں پریشان ہوا کہ الٰہی خیر۔ اس غیر وقت میں کون آیا اور کیوں آیا۔ جا کر دروازہ کھولا دستک دینے والے کو سر سے پیر تک دیکھا۔ حیران وہ پریشان کہ یہ کون آ گیا ہے۔ خون نے خون کو پہچانا ورنہ وہاں پہچاننے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ تب میں نے اسے گلے لگایا اور کہا کہ بیٹے ہم نے تمہیں ان حالتوں میں پاکستان نہیں بھیجا تھا تم کیا حال بنا کر آئے ہو۔ مگر میں پھر اپنے کہے پر آپ نادم ہوا۔ یہ کیا کم تھا کہ ہماری امانت ہمیں واپس مل گئی۔ بندے کو چاہیے کہ ہر حال میں شکرِ خدا کرے۔ حرف شکایت زبان پر نہ لائے کہ مبادا کلمۂ کفر بن جائے اور کہنے والا مستحق عذاب ٹھہرے۔ انسان ضعیف البنیان نے اس دنیا میں آنے کے بعد وہ کچھ کیا ہے کہ اس کے ساتھ جو بھی ہو اس پر شکایت کی گنجائش نہیں۔ آدمی بس چپ رہے اور جبار وقہار کے قہر سے ڈرتا رہے۔''

(ہندوستان سے ایک خط)

تقسیم ملک کا یہ المیہ ان کے ایک اور افسانے آخری موم بتی میں بھی جھلکتا ہے۔ اس افسانے کو پڑھ کر قرۃ العین حیدر کے طویل افسانے جلاوطن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ محرم کے موقعے پر بزم عزا کی ویرانی یہ ظاہر کرتی ہے کہ عزاداران میں سے بہتوں نے رخت سفر باندھ لیا ہے:

''امام باڑے میں روشنی ہو رہی تھی۔ جھاڑ فانوس اپنے اسی پرانے اہتمام سے جگر جگر کر رہے تھے۔ فرش پر جاجم بچھی تھی جس پر جا بجا سوراخ ہو رہے تھے ممبر پر چڑھا ہوا سیاہ غلاف بھی خاصہ بوسیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے بائیں سمت جو قالین بچھا ہوا تھا وہ بوسیدہ تو نہیں ہاں میلا ضرور ہو گیا تھا۔

بارہ بجے کے قریب پھر آنکھ کھل گئی۔ نیچے امام باڑے میں مجلس جاری تھی اور تو کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا مگر تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک مصرعہ ضرور سنائی دے جاتا تھا۔ ع

REFERENCE ONLY

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں

شاید کسی امام باڑے میں ماتم ہو رہا تھا۔ نیچے ہمارے امام باڑے میں بھی سکوت ٹوٹ چکا تھا اور عورتوں کے آہستہ آہستہ ماتم کرنے اور آنسوؤں سے دھلی ہوئی آوازوں میں ''حسین حسین'' کا سلسلہ شروع ہو چلا تھا۔''

(آخری موم بتی)

لیکن ایسا نہیں ہے کہ تقسیم ملک اور ہجرت کا المیہ ہی انتظار حسین کے افسانوں کا واحد موضوع ہو۔ بلکہ انسان کے اخلاقی اور روحانی زوال اور اس کے وجودی مسائل کو بھی انتظار حسین نے افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ ''آخری آدمی'' اور ''زرد کتا'' نیز دوسرے کئی افسانے انسان کے وجودی مسائل سے متعلق ہیں۔ ''زرد کتا'' میں انہوں نے صوفیہ کے ملفوظات کا اسلوب اظہار برتنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ افسانہ انسان اور اس کے نفس کے مابین ہونے والی آویزش کا بیان ہے۔ سید رضی کے قصر کا پھاٹک ہو یا شیخ حمزہ کی حویلی یا پھر ابو جعفر شیرازی کی مسند ''زرد کتا'' یعنی ''نفس'' ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ انسان کی ریاضت اور اس کا مجاہدہ اس کے نفس کے سامنے بے بس نظر آتا ہے۔ انسان لاغر ہوتا جا رہا ہے اور زرد کتا دن بہ دن موٹا۔ یعنی انسان کا اپنے نفس پر سے قابو لگا تار ختم ہوتا جا رہا ہے۔ انتظار حسین نے اس صورت حال کی سنگینی کو مکالماتی زبان اور حکایتی و ملفوظاتی اسلوب میں بے حد فنی ریاضت سے سمویا ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ رقم طراز ہیں:

''انتظار حسین کی تکنیک میں مکالمے کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کی پہلی مؤثر مثال ''زرد کتا'' میں سامنے آتی ہے۔ اس کہانی کی تکنیک میں مکالموں اور حکایتوں کو بڑے سلیقے سے ایک دوسرے کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ کہانی کی پوری فضا عہد وسطیٰ کے ملفوظات کی ہے''۔

(انتظار حسین کا فن: متحرک ذہن کا سیال سفر مشمولہ انتظار حسین ایک دبستان، ص 149)

انتظار حسین کی افسانہ نگاری کا یہ ایک مختصر سا جائزہ ہے جس میں ان کے فن اور فکر کے محض چند پہلوؤں پر ہی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ جائزہ ادھورا ہے دراصل ان کے فن کی اس قدر جہتیں ہیں اور طرز ادا و اسلوب اظہار کے اتنے طریقوں سے انہوں نے کام لیا ہے کہ سب کا احاطہ کرنا اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں۔ بہر حال وہ ہمارے عہد کے انتہائی اہم افسانہ نگار ہیں جنہوں نے اردو افسانے کو فکر و فن کی نئی بلندیوں سے روشناس کرایا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1- انتظار حسین کے افسانوں کا غالب موضوع کیا ہے؟

2- ان کا طرز اظہار کس طرح کا ہے؟

3- ہجرت اور تقسیم ملک کا المیہ ان کے جن افسانوں میں جھلکتا ہے ان میں سے کسی ایک کا نام بتائیے۔

30.5 آخری آدمی (متن)

الیاسف اس قریے میں آخری آدمی تھا۔ اس نے عہد کیا تھا کہ معبود کی سوگند میں آدمی کی جون میں پیدا ہوا ہوں اور آدمی ہی کی جون میں مروں گا اور اس نے آدمی کی جون میں رہنے کی آخر دم تک کوشش کی۔

اور اس قریے سے تین دن پہلے بندر غائب ہو گئے تھے۔ لوگ پہلے حیران ہوئے اور پھر خوشی منائی کہ بندر جو فصلیں برباد اور باغ خراب کرتے تھے نابود ہو گئے۔ پر اس شخص نے جو انہیں سبت کے دن مچھلیوں کے شکار سے منع کیا کرتا تھا یہ کہا کہ بندر تو تمہارے درمیان موجود ہیں۔ مگر یہ کہ تم دیکھتے

نہیں۔لوگوں نے اس کا برا مانا اور کہا کہ کیا تو ہم سے ٹھٹھا کرتا ہے اور اس نے کہا کہ بے شک ٹھٹھا تم نے خدا سے کیا کہ اس نے سبت کے دن مچھلیوں کے شکار سے منع کیا اور تم نے سبت کے دن مچھلیوں کا شکار کیا اور جان لو کہ وہ تم سے بڑا ٹھٹھا کرنے والا ہے۔

اس کے تیسرے دن یوں ہوا کہ الیعذر کی لونڈی گجروم الیعذر کی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور سہمی ہوئی الیعذر کی جورو کے پاس الٹے پاؤں آئی۔ پھر الیعذر کی جورو خواب گاہ تک گئی اور حیران و پریشان واپس آئی۔ پھر یہ خبر دور دور تک پھیل گئی اور دور دور سے لوگ الیعذر کے گھر آئے اور اس کی خواب گاہ تک جا کر ٹھٹھک ٹھٹھک گئے کہ الیعذر کی خواب گاہ میں الیعذر کی بجائے ایک بڑا بندر آرام کرتا تھا اور الیعذر نے پچھلے سبت کے دن سب سے زیادہ مچھلیاں پکڑی تھیں۔

پھر یوں ہوا کہ ایک نے دوسرے کو خبر دی کہ اے عزیز الیعذر بندر بن گیا ہے۔اس پر دوسرا زور سے ہنسا۔''تو نے مجھ سے ٹھٹھا کیا۔'' اور وہ ہنستا ہی چلا گیا۔حتیٰ کہ منہ اس کا سرخ پڑ گیا اور دانت نکل آئے اور چہرے کے خدوخال کھنچتے چلے گئے اور وہ بندر بن گیا۔تب پہلا' کمال حیران ہوا۔منہ اس کا کھلے کا کھلا رہ گیا اور آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں اور پھر وہ بھی بندر بن گیا۔

اور الیاب' ابن زبلون کو دیکھ کر ڈرا اور یوں بولا کہ اے زبلون کے بیٹے تجھے کیا ہوا ہے کہ تیرا چہرہ بگڑ گیا ہے۔ابن زبلون نے اس بات کا برا مانا اور غصے سے دانت کچکچانے لگا۔تب الیاب مزید ڈرا اور چلا کر بولا کہ اے زبلون کے بیٹے! تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے' ضرور تجھے کچھ ہو گیا ہے۔اس پر ابن زبلون کا منہ غصے سے لال ہو گیا اور دانت بھینچ کر الیاب پر جھپٹا۔تب الیاب پر خوف سے لرزہ طاری ہوا اور ابن زبلون کا چہرہ غصے سے اور الیاب کا چہرہ خوف سے بگڑتا چلا گیا۔ابن زبلون غصے سے آپے سے باہر ہوا اور الیاب کا چہرہ خوف سے اپنے آپ سکڑتا گیا اور وہ دونوں کہ ایک مجسم غصہ اور ایک خوف کی پوٹ تھے' آپس میں گتھ گئے۔ان کے چہرے بگڑتے چلے گئے۔پھر ان کے اعضا بگڑے۔پھر ان کی آوازیں بگڑیں کہ الفاظ آپس میں مدغم ہوتے چلے گئے اور غیر ملفوظ آوازیں بن گئے۔پھر وہ غیر ملفوظ آوازیں وحشیانہ چیخیں بن گئیں اور پھر وہ بندر بن گئے۔

الیاسف نے کہ ان سب میں عقل مند تھا اور سب سے آخر تک آدمی بنا رہا۔تشویش سے کہا کہ اے لوگو! ضرور ہمیں کچھ ہو گیا۔آؤ ہم اس شخص سے رجوع کریں جو ہمیں سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کرتا ہے۔پھر الیاسف لوگوں کو ہمراہ لے کر اس شخص کے گھر گیا۔اور حلقہ زن ہو کے دیر تک پکارا کیا۔تب وہ وہاں سے مایوس پھرا اور بڑی آواز سے بولا کہ اے لوگو! وہ شخص جو ہمیں سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کیا کرتا تھا آج ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے اور اگر سوچو تو اس میں ہمارے لیے خرابی ہے۔لوگوں نے یہ سنا اور دہل گئے۔ایک بڑے خوف نے انہیں آلیا۔دہشت سے صورتیں ان کی چپٹی ہونے لگیں اور خدوخال مسخ ہوتے چلے گئے اور الیاسف نے گھوم کر دیکھا اور اسے سکتہ ہو گیا۔اس کے پیچھے چلنے والے بندر بن گئے تھے۔تب اس نے سامنے دیکھا اور بندروں کے سوا کسی کو نہ پایا۔جاننا چاہیے کہ وہ بستی ایک بستی تھی۔سمندر کے کنارے اونچے برجوں اور بڑے دروازوں والی حویلیوں کی بستی' بازاروں میں کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔کٹورا بجتا تھا۔پر دم کے دم میں بازار ویران اور اونچی ڈیوڑھیاں سونی ہو گئیں اور اونچے برجوں میں عالی شان چھتوں پر بندر ہی بندر نظر آنے لگے اور الیاسف نے ہراس سے چاروں سمت نظر دوڑائی اور اس نے سوچا کہ میں اکیلا آدمی ہوں اور اس خیال سے وہ ایسا ڈرا کہ اس کا خون جمنے لگا۔مگر اسے الیاب یاد آیا کہ خوف سے کس طرح اس کی صورت بگڑتی چلی گئی اور وہ بندر بن گیا۔تب الیاسف نے اپنے خوف پر غلبہ پایا اور عزم باندھا کہ معبود کی سوگند میں آدمی کی جون میں پیدا ہوا اور آدمی ہی کی جون میں مروں گا اور اس نے ایک احساس برتری کے ساتھ اپنے مسخ صورت ہم جنسوں کو دیکھا اور کہا۔تحقیق میں ان میں سے نہیں ہوں کہ وہ بندر ہیں اور میں آدمی کی جون میں پیدا ہوا۔اور الیاسف نے اپنے جنسوں سے نفرت کی۔ اس نے ان کی لال بھبوکا صورتوں اور بالوں سے ڈھکے ہوئے جسموں کو دیکھا اور نفرت سے چہرہ اس کا بگڑنے لگا۔مگر اسے اچانک زبان کا خیال آیا کہ نفرت کی شدت سے صورت اس کی مسخ ہو گئی تھی۔اس نے کہا کہ الیاسف نفرت مت کر کہ نفرت سے آدمی کی کایا بدل جاتی ہے اور الیاسف نے نفرت سے کنارہ کیا۔

الیاسف نے نفرت سے کنارہ کیا اور کہا کہ بے شک میں انہیں میں سے تھا اور اس نے وہ دن یاد کیے۔جب وہ ان میں سے تھا اور دل اس کا محبت کے جوش سے امنڈنے لگا۔اسے بنت الاخضر کی یاد آئی کہ فرعون کے رتھ کے دو دھیا گھوڑوں میں سے ایک گھوڑی کی مانند تھی اور اس کے بڑے گھر کے در

سرو کے اور کڑیاں صنوبر کی تھیں۔ اس یاد کے ساتھ الیاسف کو بیتے دن یاد آئے کہ وہ سرو کے دروں اور صنوبر کی کڑیوں والے مکان میں عقب سے گیا تھا اور چھپر کھٹ کے لیے اسے ٹٹولا جس کے لیے اس کا جی چاہتا تھا اور اس نے دیکھا لمبے بال اس کے رات کی بوندوں سے بھیگے ہوئے ہیں اور چھاتیاں ہرن کے بچوں کے موافق تڑپتی ہیں اور پیٹ اس کا گندم کی ڈھیری کی مانند ہے اور پاس اس کے صندل کا گول پیالہ ہے اور الیاسف نے بنت الاخضر کو یاد کیا اور ہرن کے بچوں کے' گندم کی ڈھیری اور صندل کے گول پیالے کے تصور میں سرو کے دروں اور صنوبر کی کڑیوں والے گھر تک گیا۔ اس نے خالی مکان دیکھا اور چھپر کھٹ پر اسے ٹٹولا۔ جس کے لیے اس کا جی چاہتا تھا اور پکارا کہ اے بنت الاخضر تو کہاں ہے اور اے وہ کہ جس کے لیے میرا جی چاہتا ہے۔ دیکھ موسم کا بھاری مہینہ گزر گیا اور پھولوں کی کیاریاں ہری بھری ہو گئیں اور قمریاں اونچی شاخوں پر پھڑ پھڑاتی ہیں۔ تو کہاں ہے؟ اے الاخضر کی بیٹی! اے اونچی چھت پر بچھے ہوئے چھپر کھٹ پر آرام کرنے والی تجھے دشت میں دوڑتی ہوئی ہرنیوں اور چٹانوں کی دراڑوں میں چھپے ہوئے کبوتروں کی قسم تو نیچے اتر آ اور مجھ سے آن مل کہ تیرے لیے میرا جی چاہتا ہے۔ الیاسف بار بار پکارتا کہ اس کا جی بھر آیا اور بنت الاخضر کو یاد کر کے رویا۔

الیاسف بنت الاخضر کو یاد کر کے رویا مگر اچانک اسے الیعذر کی جورو یاد آئی۔ جو الیعذر کو بندر کی جون میں دیکھ کر روئی تھی۔ حالاں کہ اس کی ہڑکی بندھ گئی اور بہتے آنسوؤں میں اس کے جمیل نقش بگڑتے چلے گئے اور ہڑکی آواز وحشی ہوتی چلی گئی۔۔۔ یہاں تک کہ اس کی جون بدل گئی۔ تب الیاسف نے خیال کیا۔ بنت الاخضر جن میں سے تھی ان میں مل گئی اور بے شک جو جن میں سے ہے وہ ان کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور الیاسف نے اپنے تئیں کہا کہ اے الیاسف ان سے محبت مت کر مبادا تو ان میں سے ہو جائے اور الیاسف نے محبت سے کنارہ کیا اور ہم جنسوں کو ناجنس جان کر ان سے بے تعلق ہو گیا اور الیاسف نے ہرن کے بچوں اور گندم کی ڈھیری اور صندل کے گول پیالے کو فراموش کر دیا۔

الیاسف نے محبت سے کنارہ کیا اور اپنے ہم جنسوں کی لال بھبوکا صورتوں اور کھڑی دم کو دیکھ کر ہنسا اور الیاسف کو الیعذر کی جورو یاد آئی کہ وہ اس قریے کی حسین عورتوں میں سے تھی۔ وہ تاڑ کے درخت کی مثال تھی اور چھاتیاں اس کی انگور کے خوشوں کی مانند تھیں اور الیعذر نے اس سے کہا تھا کہ جان لے کہ میں انگور کے خوشے توڑوں گا اور انگور کے خوشوں والی تڑپ کر ساحل کی طرف نکل گئی۔ الیعذر اس کے پیچھے پیچھے گیا اور پھل توڑا اور تاڑ کے درخت کو اپنے گھر لے آیا اور اب وہ ایک اونچے کنگرے پر الیعذر کی جوئیں چن چن کر کھاتی تھی۔ الیعذر جھرجھری لے کر کھڑا ہو جاتا اور وہ دم کھڑی کر کے اپنے پیچھے پنجوں پر اٹھ بیٹھتی اس کے ہنسنے کی آواز اتنی اونچی ہوئی کہ اسے ساری بستی گونجتی معلوم ہوئی اور وہ اپنے اتنی زور سے ہنسنے پر حیران ہوا۔ مگر اچانک اسے اس شخص کا خیال آیا جو ہنستے ہنستے بندر بن گیا تھا اور الیاسف نے اپنے تئیں کہا۔ اے الیاسف تو ان پر مت ہنس مبادا تو ہنسنے کے ایسا بن جائے اور الیاسف نے ہنسی سے کنارہ کیا۔

الیاسف نے ہنسی سے کنارہ کیا۔ الیاسف محبت اور نفرت سے غصے اور ہمدردی سے رونے اور ہنسنے سے ہر کیفیت سے گزر گیا اور ہم جنسوں کو ناجنس جان کر ان سے بے تعلق ہو گیا۔ ان کا درختوں پر اچکنا۔ دانت پیس پیس کر کلکاریاں کرنا۔ کچے پکے پھلوں پر لڑنا اور ایک دوسرے کو لہولہان کر دینا۔ یہ سب کچھ اسے آگے کبھی ہم جنسوں پر رلاتا تھا۔ کبھی ہنساتا تھا۔ کبھی غصہ دلاتا کہ وہ ان پر دانت پیسنے لگتا اور انہیں حقارت سے دیکھتا اور یوں ہوا کہ انہیں لڑتے دیکھ کر اس نے غصہ کیا اور بڑی آواز سے جھڑکا۔ پھر خود ہی اپنی آواز پر حیران ہوا اور کسی کسی بندر نے اسے بے تعلقی سے دیکھا اور پھر لڑائی میں جٹ گیا اور الیاسف کے تئیں لفظوں کی قدر جاتی رہی' کہ وہ اس کے اور اس کے ہم جنسوں کے درمیان رشتہ نہیں رہے تھے اور اس کا اس نے افسوس کیا۔ الیاسف نے افسوس کیا اپنے ہم جنسوں پر' اپنے آپ پر اور لفظ پر۔ افسوس ہے ان پر بوجہ اس کے کہ وہ اس لفظ سے محروم ہو گئے۔ افسوس ہے مجھ پر بوجہ اس کے کہ لفظ میرے ہاتھوں میں خالی برتن کی مثال رہ گیا اور سوچو تو آج بڑے افسوس کا دن ہے۔ آج لفظ مر گیا اور الیاسف نے لفظ کی موت کا نوحہ کیا اور خاموش ہو گیا۔

الیاسف خاموش ہو گیا اور محبت اور نفرت سے' غصے اور ہمدردی سے' ہنسنے اور رونے سے درگزرا اور الیاسف نے اپنے ہم جنسوں کو ناجنس جان کر سے کنارہ کیا اور اپنی ذات کے اندر پناہ لی۔ الیاسف اپنی ذات کے اندر پناہ گیر جزیرے کی مانند بن گیا۔ سب سے بے تعلق' گہرے پانیوں کے درمیان خشکی کا ننھا سا نشان اور جزیرے نے کہا کہ میں گہرے پانیوں کے درمیان زمین کا نشان بلند رکھوں گا۔

IMC LIBRARY

الیاسف اپنے تئیں آدمیت کا جزیرہ جانتا تھا۔ گہرے پانیوں کے خلاف مدافعت کرنے لگا۔ اس نے اپنے گرد پشتہ بنالیا کہ محبت اور نفرت، غصہ اور ہمدردی، غم اور خوشی اس پر یلغار نہ کریں کہ جذبے کی کوئی رو اسے بہا کر نہ لے جائے اور الیاسف اپنے جذبات سے خوف کرنے لگا۔ پھر جب وہ پشتہ تیار کر چکا تو اسے یوں لگا کہ اس کے سینے کے اندر پتھری پڑ گئی ہے۔ اس نے فکر مند ہو کر کہا کہ اے معبود کیا میں اندر سے بدل رہا ہوں۔ تب اس نے اپنے باہر پر نظر کی اور اسے گمان ہونے لگا کہ وہ پتھری پھیل کر باہر آ رہی ہے کہ اس کے اعضا خشک، اس کی جلد بدرنگ اور اس کا لہو بے رس ہوتا جا رہا ہے۔ پھر اس نے مزید اپنے آپ پر غور کیا اور اسے مزید وسوسوں نے گھیرا۔ اسے لگا کہ اس کا بدن بالوں سے ڈھکتا جا رہا ہے اور بال بدرنگ اور سخت ہوتے جا رہے ہیں تب اسے مزید خوف ہوا اور اعضا اس کے خوف سے مزید سکڑنے لگے اور اس نے سوچا کہ کیا میں بالکل معدوم ہو جاؤں گا۔

اور الیاسف نے الیاب کو یاد کیا کہ خوف سے اپنے اندر سمٹ کر وہ بندر بن گیا تھا۔ تب اس نے کہا کہ میں اندر کے خوف پر اسی طور غلبہ پاؤں گا جس طور میں نے باہر کے خوف پر غلبہ پایا تھا اور الیاسف نے اندر کے خوف پر غلبہ پالیا اور اس کے سمٹتے ہوئے اعضا کھلنے اور پھیلنے لگے۔ اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ گئے اور اس کی انگلیاں لمبی اور بال بڑے اور کھڑے ہونے لگے اور اس کی ہتھیلیاں اور تلوے چپٹے اور لجلجے ہو گئے اور اس کے جوڑ کھلنے لگے اور الیاسف کو گمان ہوا کہ اس کے سارے اعضا بکھر جائیں گے تب اس نے عزم کر کے اپنے دانتوں کو بھینچا اور مٹھیاں کس کر باندھیں اور اپنے آپ کو اکٹھا کرنے لگا۔

الیاسف نے اپنے ہیئت اعضا کی تاب نہ لا کر آنکھیں بند کر لیں اور جب الیاسف نے آنکھیں بند کیں تو اسے لگا کہ اس کے اعضا کی صورت بدلتی جا رہی ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنے آپ سے پوچھا کیا میں میں نہیں رہا ہوں۔ اس خیال سے دل اس کا ڈھینے لگا۔ اس نے بہت ڈرتے ڈرتے ایک آنکھ کھولی اور چپکے سے اپنے اعضا پر نظر کی۔ اسے ڈھارس ہوئی کہ اس کے اعضا تو جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ اس نے دلیری سے آنکھیں کھولیں اور اطمینان سے اپنے بدن کو دیکھا اور کہا کہ بے شک میں اپنی جون میں ہوں۔ مگر اس کے بعد آپ ہی آپ اسے پھر وسوسہ ہوا کہ جیسے اس کے اعضا بگڑتے اور بدلتے جا رہے ہیں اور اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

الیاسف نے آنکھیں بند کر لیں اور جب الیاسف نے آنکھیں بند کیں تو اس کا دھیان اندر کی طرف گیا اور اس نے جانا کہ وہ کسی اندھیرے کنویں میں دھنستا جا رہا ہے اور الیاسف نے درد کے ساتھ کہا کہ اے میرے معبود میرے باہر بھی دوزخ ہے۔ اندھیرے کنویں میں دھنستے ہوئے ہم جنسوں کی پرانی صورتوں نے اس کا تعاقب کیا اور گزری راتیں محاصرہ کرنے لگیں۔ الیاسف کو سبت کے دن ہم جنسوں کا مچھلیوں کا شکار کرنا یاد آیا کہ ان کے ہاتھوں مچھلیوں سے بھرا سمندر مچھلیوں سے خالی ہونے لگا اور ان کی ہوس بڑھتی گئی اور انہوں نے سبت کے دن بھی مچھلیوں کا شکار شروع کر دیا۔ تب ایک شخص نے جو انھیں سبت کے دن مچھلیوں کے شکار سے منع کرتا تھا کہا کہ رب کی سوگند جس نے سمندر کو گہرے پانیوں والا بنایا اور گہرے پانیوں کی مچھلیوں کا مامن ٹھہرایا سمندر تمہارے دست ہوس سے پناہ مانگتا ہے اور سبت کے دن مچھلیوں پر ظلم کرنے سے باز رہو کہ مبادا تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے قرار پاؤ۔ الیاسف نے کہا کہ معبود کی سوگند میں سبت کے دن مچھلیوں کا شکار نہیں کروں گا۔ الیاسف عقل کا پتلا تھا۔ سمندر سے فاصلے پر ایک گڑھا کھودا اور نالی کھود کر اسے سمندر سے ملایا اور سبت کے دن مچھلیاں سطح آب پر آئیں تو تیرتی ہوئی نالی کی راہ گڑھے پر نکل گئیں اور سبت کے دوسرے دن الیاسف نے اس گڑھے سے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔ وہ شخص خود سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر یوں بولا کہ تحقیق جس نے اللہ سے مکر کیا اللہ اس سے مکر کرے گا اور بے شک اللہ زیادہ بڑا مکر کرنے والا ہے اور الیاسف یہ یاد کر کے پچھتایا اور وسوسہ کیا کہ کیا وہ مکر میں گھر گیا ہے۔ اس گھڑی اسے اپنی پوری ہستی ایک مکر نظر آئی۔ تب وہ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑایا کہ پیدا کرنے والے تو نے مجھے ایسا پیدا کیا جیسا پیدا کرنے کا حق ہے۔ تو نے مجھے بہترین کینڈے پر خلق کیا اور اپنی مثال پر بنایا۔ پس اے پیدا کرنے والے کیا تو اب مجھ سے مکر کرے گا اور مجھے ذلیل بندر کے اسلوب پر ڈھالے گا اور الیاسف اپنے حال پر رویا۔ اس کے بنائے پشتہ میں دراڑ پڑ گئی تھی اور سمندر کا پانی جزیرے میں آ رہا تھا۔

الیاسف اپنے حال پر رویا اور بندروں سے بھری بستی سے منہ موڑ کر جنگل کی سمت نکل گیا کہ اب بستی اسے جنگل سے زیادہ وحشت بھری نظر آتی تھی اور دیواروں اور چھتوں والا گھر اس کے لیے لفظ کی طرح معنی کھو بیٹھا تھا۔ رات اس نے درخت کی ٹہنیوں پر چھپ کر بسر کی۔

جب صبح کو وہ جاگا تو اس کا سارا بدن دکھتا تھا اور ریڑھ کی ہڈی درد کرتی تھی۔ اس نے اپنے بگڑے اعضا پر نظر کی کہ اس وقت کچھ زیادہ بگڑے بگڑے نظر آ رہے تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سوچا کہ کیا میں' میں ہی ہوں اور اس آن اسے خیال آیا کہ کاش بستی میں کوئی ایک انسان ہوتا کہ اسے بتا سکتا کہ وہ کس جون میں ہے اور یہ خیال آنے پر اس نے اپنے تئیں سوال کیا کہ کیا آدمی بنے رہنے کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ آدمیوں کے درمیان ہو۔ پھر اس نے خود ہی جواب دیا کہ بیشک آدم اپنے تئیں ادھورا ہے کہ آدمی آدمی کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور جو جن میں سے ہے ان کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور جب اس نے یہ سوچا تو روح اس کی اندوہ سے بھر گئی اور وہ پکارا کہ اے بنت الاخضر تو کہاں ہے کہ تجھ بن میں ادھورا ہوں۔ اس آن الیاسف کو ہرن کے تڑپتے ہوئے بچوں اور گندم کی ڈھیری اور صندل کے گول پیالے کی یاد بے طرح آئی۔ جزیرے میں سمندر کا پانی امنڈا چلا آ رہا تھا اور الیاسف نے درد سے صدا کی اے بنت الاخضر اے وہ جس کے لیے میرا جی چاہتا ہے۔ تجھے میں اونچی چھت پر بچھے ہوئے چھپر کٹ پر اور بڑے درختوں کی گھنی شاخوں میں اور بلند برجیوں میں ڈھونڈوں گا۔ تجھے سرپٹ دوڑتی دودھیا گھوڑیوں کی قسم ہے۔ قسم ہے کبوتروں کی جب وہ بلندیوں پر پرواز کریں۔ قسم ہے تجھے رات کی جب وہ بھیگ جائے۔ قسم ہے تجھے رات کے اندھیرے کی۔ جب وہ بدن میں اترنے لگے۔ قسم ہے تجھے اندھیرے اور نیند کی اور پلکوں کی جب وہ نیند سے بوجھل ہو جائیں۔ تو مجھے آن مل کہ تیرے لیے میرا جی چاہتا ہے اور جب اس نے یہ صدا کی تو بہت سے لفظ آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ جیسے زنجیر الجھ گئی ہو۔ جیسے لفظ مٹ رہے ہوں جیسے اس کی آواز بدلتی جا رہی ہو اور الیاسف نے اپنی بدلتی آواز پر غور کیا اور ابن زبلون اور الیاب کو یاد کیا کہ کیوں کر ان کی آوازیں بگڑتی چلی گئیں تھیں۔ الیاسف اپنی بدلتی ہوئی آواز کا تصور کر کے ڈرا اور سوچا کہ اے معبود کیا میں بدل گیا ہوں اور اس وقت اسے یہ نرالا خیال سوجھا کہ اے کاش کوئی ایسی چیز ہوتی کہ اس کے ذریعے وہ اپنا چہرہ دیکھ سکتا۔ مگر یہ خیال اسے بہت انہونا نظر آیا۔ اس نے درد سے کہا کہ اے معبود میں کیسے جانوں کہ میں نہیں بدلا ہوں۔

الیاسف نے پہلے بستی کو جانے کا خیال کیا مگر خود ہی اس خیال سے خائف ہو گیا اور الیاسف کو بستی کے خالی اور اونچے گھروں سے خفقان ہونے لگا تھا اور جنگل کے اونچے درخت رہ رہ کر اسے اپنی طرف کھینچتے تھے۔ الیاسف بستی واپس جانے کے خیال سے خائف' چلتے چلتے جنگل میں دور نکل گیا۔ بہت دور جا کر اسے ایک جھیل نظر آئی کہ پانی اس کا ٹھہرا ہوا تھا۔ جھیل کے کنارے بیٹھ کر اس نے پانی پیا۔ جی ٹھنڈا کیا۔ اس اثنا میں وہ موتی ایسے پانی کو تکتے تکتے چونکا۔ یہ میں ہوں؟ اسے پانی میں اپنی صورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی چیخ نکل گئی اور الیاسف کو الیاسف کی چیخ نے آ لیا اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

الیاسف کو الیاسف کی چیخ نے آ لیا تھا اور وہ بے تحاشا بھاگا چلا جاتا تھا۔ جیسے وہ جھیل اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ بھاگتے بھاگتے تلوے اس کے دکھنے لگے اور چپٹے ہونے لگے اور کمر اس کی درد کرنے لگی۔ مگر وہ بھاگتا گیا اور کمر کا درد بڑھتا گیا اور اسے یوں معلوم ہوا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی دوہری ہوا چاہتی ہے اور وہ دفعتاً جھکا اور بے ساختہ اپنی ہتھیلیاں زمین پر ٹکا دیں اور بنت الاخضر کو سونگھتا ہوا چاروں ہاتھ پیروں کے بل تیر کے موافق چلا۔

اپنی معلومات کی جانچ

1- آخری آدمی کا موضوع کیا ہے؟

2- الیعذر کی لونڈی کا کیا نام ہے؟

3- سبت کے دن مچھلیاں پکڑنا کیوں منع ہے؟

30.6 آخری آدمی کا تنقیدی جائزہ

'آخری آدمی' میں انسانوں کے بندروں میں تبدیل کیے جانے کا تصور قران اور عہد نامۂ عتیق کی قدیم روایت سے ماخوذ ہے۔ قران میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

''اور ذرا ان سے اس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندروں کے کنارے واقع تھی۔ انھیں یاد دلاؤ وہ واقعہ کہ وہاں کے لوگ

سبت کے دن احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت کے دن ابھر کر سطح پر ان کے سامنے آتی تھیں اور باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لیے ہوتا تھا کہ ہم ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے..... پھر جب وہ پوری سرکشی کے ساتھ وہی کام کیے چلے گئے جس سے انھیں روکا گیا تھا تو ہم نے کہا کہ بندر ہو جاؤ ذلیل وخوار'' (قران۔سورۃ اعراف 166,163)

''پھر تمھیں قوم کے ان لوگوں کا قصہ تو معلوم ہے جنھوں نے سبت کا قانون توڑا تھا۔ ہم نے انھیں کہہ دیا کہ بندر بن جاؤ اور اس حال میں رہو کہ ہر طرف سے تم پر دھتکار' پھٹکار پڑے.....'' (قران۔البقرہ 65)

کہانی ''آخری آدمی''، ہمیں اس اعتبار سے اردو افسانے کی ایک بالکل انوکھی اور نئی جہت سے روشناس کراتی ہے کہ اس میں انسان کی روحانی اور اخلاقی کشمکش اور اس پر جبلّی قوتوں کے دباؤ کو کچھ ایسے اچھوتے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ بیانیہ کی دلچسپی بھی برقرار رہتی ہے اور انکشافِ حقیقت کی پرتیں بھی کھلتی ہیں۔

'آخری آدمی' ان انسانوں کے بندر بن جانے کی کہانی ہے جو سبت کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور اپنی حرص وہوس کے جذبے کی تسکین کرتے تھے۔ لالچ' مکر' خوف اور غصّے کے منفی جذبات کے باعث وہ اعلیٰ انسانی سطح سے حیوانی سطح پر اتر آئے۔ آخری آدمی الیاسف ہے جو ان میں سب سے زیادہ عقلمند ہے اور آخر تک آدمی بنے رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ منفی جذبات سے خود کو بچانے کی شدید جدوجہد کرتا ہے۔ انسان اور اس کی جبلّی قوتوں کی یہ باہمی کشمکش کہانی میں وہ تناؤ پیدا کرتی ہے جو قصے کی جان ہے۔ انتظار حسین اپنے تمثیلی پیرائے میں بتاتے ہیں کہ انسان لاکھ لالچ' مکر وخوف' غصہ' جنس سے بچنے کی کوشش کرے' اپنی سرشت سے نہیں بچ سکتا۔ یہ جبلّی دباؤ انسانی سرشت میں گندھے ہوئے ہیں۔

سمندر کے کنارے بھرے پُرے اور آباد قریے میں بسنے والی موسیٰ کی امت کا عدول حکمی اور حرص وہوس کے سبب بندروں میں تبدیل ہو جانا 'آخری آدمی' میں ایک عام انسانی صورت حال بن کر سامنے آتا ہے۔ کہانی کار کو اس بات سے غرض نہیں ہے کہ لوگ کس گناہ کی پاداش میں انسانی عظمت ومرتبت سے محروم کیے گئے ہیں۔ اس کی توجہ اس بات کی طرف زیادہ ہے کہ انسان سے بندر بننے کے عمل میں انھیں کن حیوانی جذبات اور جذباتی ہلاکت خیزیوں سے گزرنا پڑا ہے اور اس پورے عمل میں انسان نے بحیثیت انسان کے اپنے وجود کی برقراری کے لیے کیا کیا جدوجہد کی ہے۔ کہانی کار ہمیں اجنبی زبانوں اور نامانوس زمینوں کی حکایات کے آئینے میں ہماری اپنی بے ضمیری بے حسی اور حیوانیت کی تصویر دکھلاتا ہے۔ بندر بننا قریے کے تمام لوگوں کا مقدر ہو چکا ہے۔ مگر افسانہ نگار غیبی سزاؤں اور گناہوں کی پاداش سے ماورا ہو کر حکایت کو ایک ذاتی تخلیق میں تبدیل کر دیتا ہے۔ انتظار حسین روایت کے خام مواد سے اپنے افسانے کو مستحکم بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور اس بنیاد پر اعلیٰ ترین فنکاری کی ہشت پہل اور پراسرار عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ 'آخری آدمی' میں معاملہ جرم کرنے اور اس کی سزا سے اوپر اٹھ کر الیاسف کے چاروں طرف بندر کی جون میں تبدیل ہوتے ہوئے انسان اور مسخ ہوتے ہوئے چہروں کے درمیان اپنے آپ کو تبدیلی سے محفوظ رکھنے کی قوتِ ارادی اور مثبت اقدار کی ناپائداری میں سمٹ آیا ہے۔

''الیاسف اس قریے میں 'آخری آدمی' تھا۔ اس نے عہد کیا تھا کہ معبود کی سوگند' میں آدمی کی جون میں پیدا ہوا ہوں اور آدمی ہی کی جون میں مروں گا اور اس نے آدمی کی جون میں رہنے کی آخری دم تک کوشش کی''

کہانی کے یہ ابتدائی چند جملے ہمارے اندر مرکزی کردار اور کہانی کے موضوع سے متعلق غیر معمولی تجسس کو بیدار کرتے ہیں اور اس تجسس کے سہارے جب ہم کہانی کے پورے سفر کے بعد اختتام تک پہنچتے ہیں تو وہاں بھی کہانی کار ایک دوسری دنیا' دوسری زندگی اور بدلی ہوئی صورت حال کے بارے میں ہمارے ذہن میں بہت سے سوالات چھوڑ جاتا ہے۔ اس طرح 'آخری آدمی' تاثر کی بھرپور شدت اور موضوع کی اکائی کے باوجود اپنے ماقبل اور مابعد کے رشتوں سے جڑی ہوئی ایک کہانی بن جاتی ہے۔

الیاسف حالانکہ اس کہانی کا مرکزی کردار ہے اور پوری کہانی اسی کے اردگرد گھومتی ہے۔ مگر اس کی شخصیت کا دوسرا رُخ اس وقت ہمارے سامنے

REFERENCE ONLY

آتا ہے جب وہ اپنے کو اندر اور باہر ہر طرف سے بچانے کے باوجود اپنے ہم جنسوں کے حوالے کے بغیر اپنی صحیح شناخت سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور پہچان کا یہ المیہ اس میں نئے سرے سے جبلت کی منفی قوتوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ انتظار حسین قریے کے ان تمام لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جن میں اپنے کو بچانے کی قوت اور ارادہ کی کمی کی وجہ سے وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکے اور اس طرح اپنے انسانی وجود کو کھو بیٹھے۔ کسی کی صورت حیرت واستعجاب کی نذر ہو جاتی ہے۔ اور کوئی شک و وسوسہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ کوئی نفرت وحقارت کی انتہا پر پہنچ کر' کوئی خوف کی وجہ سے انسان ہونے کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس طرح حد سے بڑھے ہوئے جذبات ان سب لوگوں کو اپنے سیلاب میں بہالے جاتے ہیں۔

الیاسف چونکہ چالاک اور عقل مند شخص ہے' اس نے مچھلیوں کا شکار سمندر سے براہ راست کرنے کے بجائے سمندر سے ایک نہر نکال کر' اور اس نہر کے ذریعہ مچھلیوں کو ایک گڈھے میں پہنچا کر کیا ہے' اس طرح وہ نفسیاتی خواہش اور اپنی ہوس بھی پوری کرتا ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں نے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ مگر وہ شخص جو سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کرتا تھا یہ دیکھ کر یوں بولا کہ:

''تحقیق' جس نے اللہ سے مکر کیا اللہ اس سے مکر کرے گا۔ اور بے شک اللہ زیادہ مکر کرنے والا ہے۔''

الیاسف بہت دنوں تک ان تبدیلیوں کا تماشائی رہا ہے مگر تماشائی بنے رہنے کی جو قیمت اسے چکانی پڑتی ہے وہ اس کی برداشت سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کی ذات دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ آنکھیں اس کے لیے عذاب بن جاتی ہیں۔ نظر آنے والا ہر منظر اسے ردِ عمل پر مجبور کرتا ہے اور ہر ردِ عمل اس کے وجود کی قیمت چاہتا ہے۔ الیاسف چونکہ ہوشیار اور عقل مند ہے اسی لیے وہ تمام جذبات کے اثر سے اپنے کو بچانے کا جتن کرتا ہے مگر وہ بھی اپنی جبلت سے مجبور ہے۔ کہانی جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے۔ انتظار حسین دکھاتے ہیں کہ ''ہرن کے بچوں'' گندم کی ڈھیری'' اور ''صندل کے گول پیالے'' کا تصور بار بار الیاسف کے دامنِ دل کو کھینچتا ہے لیکن اپنے ہم جنسوں کو ناجنس جان کر اس سے بے تعلق ہو جانا شاید انسان کے لیے ممکن نہیں۔ گویا اس کہانی میں مسئلہ صرف لالچ' مکر' خوف یا غصے کا نہیں بلکہ ان تمام بنیادی خواہشوں کا ہے جن کے ایک سرے پر بھوک ہے اور دوسرے پر جنس۔ اور باقی تمام جبلی اثرات ان دو انتہاؤں کے بیچ میں بہنے والی ندی کی سطح پر بلبلوں کی طرح ابھرتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ الیاسف ایک ایک کر کے ان تمام جذبات واحساسات سے کنارہ کشی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس شخص کا تصور کر کے' جو ہنستے ہنستے بندر بن گیا تھا' ہنسی سے بھی کنارہ کر لیتا ہے۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لفظ کا بھی الیاسف اور اس کے ہم جنسوں کے درمیان رشتہ نہیں رہتا۔ لفظ خالی برتن کی طرح رہ گئے' اور لفظ مر گئے۔ الیاسف اپنی ذات کے اندر پناہ لیتا ہے لیکن سب سے بے تعلق ہو کر۔ ذات کے جزیرے میں بھی عافیت کہاں۔ وہ فکر مند ہو کر سوچتا ہے کہ وہ اندر سے بدل رہا ہے' اور اسے گمان ہونے لگتا ہے کہ اس کے اعضا خشک' اس کی جلد بدرنگ اور اس کی ٹانگیں اور بازو مختصر اور سر چھوٹا ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ درد کے ساتھ کہتا ہے کہ ''اے میرے معبود میرے باہر بھی دوزخ ہے' میرے اندر بھی دوزخ ہے۔'' مارے تنہائی کے وہ سوچتا ہے ۔''بے شک آدم اپنے تئیں ادھورا ہے۔'' وہ بنت الاخضر کو پکارتا ہے۔ ''اے بنت الاخضر تو کہاں ہے کہ میں تجھ بن ادھورا ہوں۔'' لیکن بنت الاخضر کیسے آتی' وہ تو پہلے ہی حیوانی سطح پر اتر چکی تھی۔ چنانچہ الیاسف ہی بدلتا چلا جاتا ہے۔ اپنی ہتھیلیاں زمین پر ٹکا دیتا ہے اور بنت الاخضر کو سونگھتا ہوا چاروں ہاتھ پیروں کے بل تیر کی طرح جنگل کو چلا جاتا ہے۔ یعنی الیاسف بھی بندر کی حیوانی سطح پر پہنچ جاتا ہے۔

اس طرح کہانی میں مرکزیت صرف مکر و لالچ کی نہیں ہے بلکہ آخری آدمی کے بنت الاخضر سے رشتے کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے' اور یہ سب مل کر انسانی سرشت میں جبلی قوتوں کے منفی دباؤ کا اظہار بن جاتے ہیں جس سے انسان کو ہمیشہ نبرد آزما ہونا پڑتا ہے' اور یہ وہ کشمکش ہے جو انسانی وجود میں مضمر ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1- کہانی کا مرکزی خیال کہاں سے لیا گیا ہے؟

2- الیاسف مچھلیوں کے شکار کے لیے کونسا طریقہ اختیار کرتا ہے؟

3- افسانے میں کن جذبوں کے مابین کشمکش دکھائی گئی ہے۔

MA-063
03-08-2015
IMC LIBRARY

30.7 خلاصہ

انتظار حسین کا شمار موجودہ دور کے اہم ترین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے تمثیلی اور داستانوی اسلوب بیان کی وجہ سے اردو کے افسانوی ادب میں ایک نئے طرز کے موجد کہے جاسکتے ہیں۔ انتظار حسین 12 دسمبر 1925ء کو ضلع بلند شہر یو پی کے ایک گاؤں ڈبائی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام منتظر علی تھا۔ ابتدائی تعلیم ہاپوڑ میں حاصل کرنے کے بعد آگے کی تعلیم انہوں نے میرٹھ سے حاصل کی اور وہیں سے اردو میں ایم۔اے پاس کیا۔ تقسیم ملک کے بعد انتظار حسین نے پاکستان ہجرت کی۔ ادبی زندگی کا آغاز 1948ء سے ہوتا ہے۔ پہلا افسانہ ''قیوما کی دکان'' ہے۔ انہوں نے افسانوں کے ساتھ ناول بھی لکھے۔ انتظار حسین کے افسانوی مجموعے گلی کوچے' کنکری' آخری آدمی' شہر افسوس اور کچھوے وغیرہ ہیں۔ ناولوں میں بستی' تذکرہ اور آگے سمندر ہے اہم ہیں۔ انتظار حسین نے ڈرامے' رپورتاژ وغیرہ بھی لکھے۔

افسانہ نگاری میں انتظار حسین اپنے تمثیلی و داستانوی اسلوب اظہار کی بنا پر جانے جاتے ہیں۔ ہجرت کا المیہ ان کے افسانوں کا خاص موضوع ہے۔ تہذیبی جڑوں کی تلاش اور عصری مسائل و میلانات کا بیان ماضی کی بازیافت کے حوالے سے ان کے افسانوں کی اہم خصوصیت ہے۔

انتظار حسین نے کہانی کی جدید تر تکنیک کو استعمال کر کے اپنی روایت کو ہم عصر زندگی بنا دیا ہے' انھوں نے علامتی اظہار کے لیے جو اسلوب اور تکنیک استعمال کی ہے وہاں فرد پورے سماج کی علامت بن جاتا ہے۔ 'آخری آدمی' اپنے تخلیقی مزاج کے اعتبار سے ایک گٹھی ہوئی تہہ دار اور علامتی کہانی ہے جو اپنے اندازِ بیان اور تکنیک کے ساتھ پہلی بار داستانی روایت سے اپنا رشتہ جوڑتی ہے۔ اس نوع کی چند کہانیاں انتظار حسین کا امتیاز ہیں اور اسی امتیاز نے انتظار حسین کو ہم عصر اردو کہانی کا نمایاں ترین نام بنا دیا ہے۔

30.8 نمونہ امتحانی سوالات

ان سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں تحریر کیجیے۔

1. انتظار حسین کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف پر ایک مضمون لکھیے۔
2. انتظار حسین کی افسانہ نگاری کا تجزیہ کیجیے۔
3. افسانہ ''آخری آدمی'' کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

ان سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

1. انتظار حسین کا اسلوب اپنے ہم عصروں سے کس طرح مختلف ہے؟ وضاحت کیجیے۔
2. انتظار حسین کے ناولوں اور افسانوی مجموعوں کے نام لکھیے؟
3. کیا انتظار حسین کا بنیادی تجربہ ہجرت کا تجربہ ہے؟ وضاحت کیجیے۔
4. 'آخری آدمی' کے بنیادی موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔

30.9 فرہنگ

الفاظ		معنی
موجد	=	ایجاد کرنے والا
پرآشوب	=	پریشانی سے بھرا

REFERENCE ONLY

میلانات	=	رجحانات، خواہشات
وجدان	=	جاننے اور دریافت کرنے کی قوت، ذکاوت
ملفوظات	=	اقوال جو تحریر میں لے آئے جائیں
عہد نامۂ عتیق	=	توریت (وہ آسمانی کتاب جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی)
طمع	=	لالچ
عزاداران	=	سوگواران، ماتم کرنے والے
سبت	=	شنبہ، سنیچر (سبت ترکی زبان کا لفظ ہے)
قریہ	=	گاؤں، موضع
صندل	=	چندن، ایک قسم کی لکڑی جو خوشبودار ہوتی ہے
صنوبر	=	چیڑ کا پیڑ
چھپرکھٹ	=	وہ پلنگ جس کے اوپر چھتری اور پوشش ہو

30.10 سفارش کردہ کتابیں

1. پروفیسر شمیم حنفی — کہانی کے پانچ رنگ
2. ڈاکٹر فرمان فتحپوری — اردو افسانہ اور افسانہ نگار
3. پروفیسر گوپی چند نارنگ — اردو افسانہ روایت اور مسائل
4. پروفیسر آل احمد سرور (مرتب) — اردو فکشن
5. اختر انصاری — اردو فکشن
6. پروفیسر گوپی چند نارنگ — انتظار حسین اور ان کے افسانے
7. ڈاکٹر صغیر افراہیم — اردو افسانہ ترقی پسند تحریک سے قبل
8. ڈاکٹر اعجاز راہی — اردو افسانے میں علامت نگاری
9. ڈاکٹر انور سدید — اردو افسانے کی کروٹیں

....

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE LIBRARY MANUU HYDERABAD
Acc. No. MA-062
Date 03.08.2015